© rasailojaraid.com

تحقیق وتنقید

مولانا عبدالرحمان کیلانی

جنتِ ارضی یا جنت الماویٰ

صاحبِ مضمون مولانا عبدالرحمٰن کیلانی زید مجدہٗ کا یہ مقالہ دراصل محمد صادق صاحب (کراچی) کے اس مراسلہ کا جواب ہے۔ جس میں انہوں نے لکھا ہے:

"حال ہی میں ماہنامہ "المعارف" لاہور (شمارہ دسمبر ۸۲ء) میں جناب شہیر نیازی صاحب کا مضمون "آدم جنتِ ارضی میں" پڑھ کر ذہنی الجھن میں مبتلا ہو گیا ہوں کہ قرآن واحادیثِ صحیحہ کی رُو سے صحیح حقیقت کیا ہے؟

چنانچہ میں اس مضمون کی عکسی نقل آپ کے پاس بغرض علمی تبصرہ بھیج رہا ہوں۔ ازراہِ کرم مضمون کے تمام وضاحت طلب، یا قابلِ تشریح پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالیں اور "محدث" کے آئندہ شمارہ میں اس کو ضرور شائع کریں تاکہ مجھ جیسے سطحی علم رکھنے والے اصحاب بھی بھرپور استفادہ کر سکیں۔ والسلام!"

(ادارہ)

اسلام میں جب سے عقل پرست فرقوں کا آغاز ہوا ہے، اُن کی یہی عادت رہی ہے کہ قرآن وحدیث یا اسلامی روایات میں جہاں کہیں کوئی بات اپنی عقل کے خلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھی تو اس کی مختلف توجیہات و تاویلات پیش کر کے اسے مطابقِ عقل و عادت بنا کے ہی دم لیا۔ ایسی ہی باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جس جنت میں اللہ تعالیٰ نے آدمؑ و حوا کو رہنے کا حکم دیا تھا وہ آسمان پر تھی یا زمین پر؟

چونکہ اس مسئلہ کا انسان کی ہدایت سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کو یہ تفصیل بتلانے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ قرآن و حدیث میں ایسے واضح الفاظ کہیں بھی نہیں ملتے، جن سے واضح طور پر اس بات کا فیصلہ کیا جا سکے۔ تاہم قرآن و حدیث سے ہی کچھ ایسے اشارات اور دلائل ضرور مل جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنت سماوی تھی، ارضی نہ تھی، لیکن عقل پرست حضرات اسے کسی صورت جنت الماویٰ ماننے کو تیار نہیں۔ لہٰذا تاویلات و توجیہات کا سہارا لینے لگے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی ایسی توجیہات و تاویلات میں بھی بہت زیادہ اختلاف رونما ہوئے۔

معتزلین اور قدریہ نے جنتِ سماویہ سے انکار کیا تو زمین میں اس جنت کی جگہ بھی متعین کر دی کہ وہ یا تو فلسطین میں تھی یا فارس و کرمان کے درمیان تھی۔ سر سید مرحوم کی تاویل لاجواب ہے، وہ جنت سے مراد بلوغت یا عقل و تمیز سے پہلے کی زندگی مراد لیتے ہیں شجرِ ممنوعہ سے مراد عقل و تمیز کا درخت ہے اور ہبوطِ آدم سے مراد عقل و تمیز کے بعد کی مکلّف زندگی ہے۔ گویا ان کے نزدیک یہ جنت کوئی مادی شے تھی ہی نہیں جس کے متعلق یہ سوال پیدا ہو سکے کہ وہ ارضی ہے یا سماوی؟

شہیر نیازی صاحب بھی جنتِ ارضی کے قائل ہیں لیکن معتزلین کا بتلایا ہوا مقام ان کے خیال میں درست نہیں۔ وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ ان علاقوں میں تو آج بھی نسلِ آدم آباد ہے، پھر جنت سے اخراج کیا ہوا؟ بالفاظِ دیگر آپ نے معتزلین کے خیال کی تردید فرما دی۔ آپ کے خیال کے مطابق یہ جنت ایک نہیں بلکہ دو تھیں۔ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ پہلی جنت سے جب نکالا (جو پہاڑ پر واقع تھی) تو فرمایا "قُلْنَا اهْبِطُوْا"۔ اس حکم کے مطابق آدم اور حوا جنت ۲ میں آ گئے جو ایک جزیرہ پر واقع تھی۔ اس جنت میں آدم و حوا کے اولاد بھی پیدا ہوئی، اسی لیے جب یہاں سے نکلنے کا حکم دیا تو فرمایا "قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا"، (تم سب کے سب اس جنت سے نکل جاؤ) چنانچہ آدم و حوا دوسری بار اس دوسری جنت سے نکلے۔ ان کے نکلنے کے بعد دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنت کے قطعے آتش فشانی کی وجہ سے بحر اوقیانوس میں غرق ہو چکے ہیں۔ آپ کی ان معلومات کا ماخذ مصریوں کی وہ تاریخ ہے جو وہ مندروں پر لکھا کرتے تھے۔

آپ کی تحقیق اس لحاظ سے بے مثال ہے کہ آپ نے قرآن ہی کے الفاظ "قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا" سے یہ ثابت کر دکھایا کہ یہ جنتِ ارضی ایک نہیں بلکہ دو تھیں۔ اور آدم و حوا ایک بار نہیں بلکہ دو بار ان جنتوں سے نکالے گئے اور نیز یہ کہ ان جنتی قطعات کے ڈوبنے سے پیشتر انہیں کسی حفاظتی مقام پر نکل جانے کو کہہ دیا گیا تھا۔

نیازی صاحب نے قرآن کے ان الفاظ پر جو لغوی تحقیق پیش کر کے یہ نتائج نکالے ہیں سب سے پہلے ہم اسی کا جائزہ لینا چاہتے ہیں، فرماتے ہیں:

ہبط کی لغوی تحقیق:

"تیسری ضروری اور اہم چیز اس سلسلے میں لفظ "اِهْبِطُوا" کا استعمال ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی کسی اونچی جگہ سے نیچے آنے کے ہیں، یہاں تک کہ سواریوں پر سے اترنے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے ... اللہ علیم و خبیر ہے اسے معلوم تھا کہ لوگ اِهْبِطُوا کے سلسلے میں اونچائی سے مراد آسمان لیں گے، لہٰذا دوسری جگہ "اِهْبِطُوا مِصْرًا" (یعنی مصر میں جا کر اترو) کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ آدم کو آسمان سے پھینکا نہیں گیا، بلکہ ایک سر سبز پہاڑ کی چوٹی سے جو جنت نظیر تھا، اتارا گیا ..... اللہ کسی کو معاف کرنے کے بعد سزا نہیں دیتا۔ جب توبہ قبول ہو گئی تھی تو یہ نکلنا رحمت تھا نہ کہ زحمت ..... بنی اسرائیل مصر کی قید سے چھوٹ کر آئے تھے اور یہ ایک تنبیہ تھی۔ جا کر اترنا تو سوائے سواریوں کے اور کسی چیز سے اترنے کے معنی یہاں دیتا نہیں ہے۔ قافلے کا اُترنا، لوگوں کا اترنا اور پڑاؤ کرنا جیسا وسیع مفہوم صرف ایک لفظ "اِهْبِطُوا" میں پوشیدہ ہے۔" (ص ۶، ۷)

اس اقتباس سے هَبَطَ کے متعلق لغوی تحقیق یہ ہوئی کہ:

۱۔ اس کا معنیٰ اونچی جگہ سے نیچے آنا یا سواری سے اترنا ہے۔

۲۔ اگر یہ لفظ جنتِ سماوی سے متعلق ہو تو اس کا معنیٰ "پھینکنا" کرنا چاہیے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر کسی پہاڑ کی چوٹی پر یہ جنت ہو تو اس کا معنیٰ اُتار نا کرنا چاہیے۔

۳۔ یہ لفظ بطور رحمت بھی استعمال ہو سکتا ہے۔

۴۔ اس لفظ کا لغوی مفہوم بڑا وسیع ہے جیسے قافلہ کا لڑنا، پڑاؤ کرنا، لوگوں کا اترنا وغیرہ۔

اب دیکھیے ھَبَطَ کی لغوی بحث میں جو باتیں امتیازی خصوصیات کی حیثیت رکھتی ہیں ان کا نیازی صاحب نے ذکر ہی نہیں کیا، مثلاً

۱۔ ھَبَطَ (لازم و متعدی) میں صرف مادی لحاظ سے کسی بلند جگہ سے نیچے اترنے کا مفہوم ہی نہیں پایا جاتا بلکہ قدر و منزلت کے لحاظ سے گر جانے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے "ھَبَطَ الثَّمَنُ" بمعنیٰ قیمت گر گئی۔ "ھَبَطَہُ الزَّمَانُ" اُسے زمانہ نے گرا دیا۔ یعنی پہلے امیر تھا اب غریب ہو گیا۔ "ھَبَطَ" بمعنیٰ برائی میں پڑنا، نقصان اور ذلت۔ جس اترنے میں ذلت ہو، وہاں ہبوط کا لفظ آتا ہے۔ عزت کا اترنا اُتارنا ہو تو نزول اور انزال استعمال ہوتا ہے، جیسے قرآن، بارش، ملائکہ وغیرہ (مرآۃ القرآن، منجد)

۲۔ اس مادی یا معنوی نزول کے علاوہ "ہبط" کی دوسری امتیازی خصوصیت "اضطرار" ہے۔ امام راغب کے الفاظ میں "الھبوط" کے معنی کسی چیز کے قہراً یا بے اختیاری کی حالت میں نیچے اتر آنا کے ہیں، جیسا کہ پتھر بلندی سے نیچے گرتا ہے۔"

(مفردات امام راغب)

پھر کبھی تو اس لفظ میں یہ سب خصوصیات بیک وقت پائی جاتی ہیں، جیسے ارشادِ باری ہے:

"وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ!" (البقرۃ: ۷۴)

"پھر پتھروں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں!"

اور کبھی اس لفظ میں نیچے آنے کے علاوہ ذلت کے ساتھ کسی جگہ یا مقام سے نکلنے یا نکالے جانے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ۔" (الاعراف: ۱۳)

"اللہ نے ابلیس سے فرمایا، بہشت سے اتر جا، تجھے شایان نہیں کہ یہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو غرور کرے، پس نکل جا تو ذلیل ہے۔"

اس آیت میں یہ لفظ (GET OUT) کے معنی دے رہا ہے۔ گویا "ھبط" میں یا تو اضطرار کا پہلو ضروری ہوتا ہے یا تحقیر کا اور یا پھر دونوں باتیں بیک وقت پائی جاتی ہیں۔ نزول اور خروج کے ہبوط کا یہ امتیازی فرق اتنا مشہور ہے کہ ایک اُردو شاعر نے بھی درج ذیل شعر میں یہ فرق واضح کر دیا ہے ؎

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

ایک تیسرے مقام پر یہ لفظ قرآن میں یوں استعمال ہوا ہے،

يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا" (ھود: ۴۸)

"اے نوح، سلامتی کے ساتھ (کشتی سے) نیچے اتر آؤ۔"

اس آیت میں مادی طور پر نزول اور اضطرار دو باتیں پائی جاتی ہیں۔ ذلت و تحقیر کے پہلو کو "بسلام منّا" کے الفاظ نے خارج از بحث قرار دے دیا۔

چوتھے مقام پر ہے،

"اِهْبِطُوا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ" (البقرۃ: ۶۱)

"کسی شہر میں جا اترو، تمہیں وہ کچھ مل جائے گا جو تم مانگتے ہو، اور ذلت اور محتاجی ان پر چپکا دی گئی۔ وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گئے۔"

اس آیت میں ذلت اور اضطرار دو باتیں پائی جاتی ہیں لیکن مادی طور پر بلندی سے نیچے آنے کا مفہوم نہیں ہے۔

اب یہ لغوی مفہوم سامنے رکھیے اور نیازی صاحب کی یہ توجیہ سامنے لائیے کہ حضرت آدم و حوا ازراہِ کرم و احسان، اس پہاڑ کی چوٹی سے اتار کر بحفاظتِ تمام کسی دوسرے مقام پر بھیجے جا رہے ہیں۔ جس پہاڑ پر ان کے خیال کے مطابق جنت بنائی تھی اور جو آدم و حوا کے چلے جانے کے بعد پھٹنے والا تھا۔ نیازی صاحب نے ہبوط کے معنوں میں اس کرم و احسان یا رحمت کی توجیہ یہ بیان فرمائی کہ اللہ کسی کو معاف کرنے کے بعد سزا نہیں دیتا۔ اب نیازی صاحب کی توجیہ قبول کرنے میں مشکل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ پیش آتی ہے کہ ہبوط تو پہلے ہو چکا ہے اور قصور کی معافی بعد میں ہوتی ہے۔ ہبوط کا ذکر سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۳۶ میں ہے اور توبہ کی قبولیت کا ذکر آیت ۳۷ میں ہے۔ بالفاظِ دیگر جنت سے نکالے جانے کے بعد جب آدم و حوا نے زمین میں رہائش اختیار کر لی، تب آدمؑ نے اپنے خدا سے کلماتِ توبہ سیکھے اور توبہ قبول ہوئی، گویا ہبوط جرم کی سزا کے طور پر ہوا تھا، اس وقت احسان یا رحمت کا کونسا موقعہ تھا؟

جنت ۲ اور دوسری بار اخراج کی دلیل:

"دوسری بار آدم و حوا سے کہا گیا کہ "اِهْبِطُوْا" اور اسی تسلسل میں فرمایا گیا "اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا"...... آخر یہ دو دفعہ اخراج کیوں ہوا؟ اس میں یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ جو آدم کے صرف دو ہونے اور اس کے بعد اہل و عیال سمیت نکلنے کے درمیان فطرت کا تقاضا ہے...... عربی اس قدر فصیح زبان ہے کہ چار اور پانچ کے عدد کے لیے بھی الفاظ موجود ہیں۔ جمیعًا کا لفظ اچھی خاصی انسانی تعداد کی طرف واضح اشارہ کر رہا ہے اور پھر دوسری دفعہ مع ان کی اولاد کے اس جزیرے سے نکالا گیا جہاں کبھی یہ خوبصورت باغ تھا اور وہ جزیرہ جو اب سمندری آتش فشاں پہاڑوں کی وجہ سے ڈوبنے والا تھا، انہیں نکال لیا گیا۔" (ص ۷، ۸)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ:

۱۔ چونکہ قرآن نے "اِهْبِطُوْا" کا لفظ دو بار استعمال فرمایا ہے لہٰذا یہ اخراج دو بار ہوا اور دونوں بار ہی دو مختلف جنتوں سے ہوا۔

۲۔ دوسری بار جو "اہبطوا" کے ساتھ "جمیعا" کا لفظ بھی ہے جو چار، پانچ تو درکنار، اچھی خاصی تعداد کو ظاہر کر رہا ہے۔ آدم و حوا دو [2] سے اتنی خاصی تعداد ان کے بچوں کی ہی ہو سکتی ہے جو کہ جنت ۱ کے قیام کے دوران پیدا ہوئے، پھر جتنی مدت بچوں کی اتنی خاصی تعداد کی پیدائش کے لیے درکار تھی وہی ان دونوں طرح کے اخراج کا درمیانی وقفہ ہے۔

اب دیکھیے نیازی صاحب، قرآنِ کریم کی جس فصاحت و بلاغت کی داد فرما رہے ہیں، ہمیں افسوس ہے کہ نیازی صاحب خود اس سے بے بہرہ ہیں۔ عربی زبان میں فصاحت یہ ہے کہ تثنیہ کے لیے الگ صیغہ موجود ہے [1] اور جمع کا صیغہ ۲ سے نہیں بلکہ تین سے شروع

© rasailojaraid.com

[1] لہٰذا نیازی صاحب کے مطابق آدم و حوا صرف دو کے اخراج کیلئے "اِهْبِطَا مِنْهَا" کے الفاظ استعمال ہونا [illegible]

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے۔ تین یا اس سے زائد جتنی بھی تعداد ہو اس کے لیے "اِھْبِطُوْا" ہی آئے گا۔ چار یا پانچ کے لیے کوئی علیحدہ صیغہ عربی زبان میں موجود نہیں ہے، البتہ چار یا پانچ کے لیے عربی میں اربع اور خمس کے الفاظ ضرور موجود ہیں لیکن یہ عربی کی کوئی خصوصیت نہیں۔ چار یا پانچ کے لیے ہر زبان میں ہی الفاظ موجود ہیں۔ البتہ ایک لفظ "بضع" کا بھی آتا ہے جس کے معنی ہیں "چند"۔ اور اس کا اطلاق ۳ سے ۹ تک ہوتا ہے مگر اس لفظ کا استعمال "اھبطوا" میں کچھ تبدیلی نہیں لاتا۔ ہاں اس سے زائد اگر کوئی بات نیازی صاحب کے علم میں ہے تو اسے واضح کر دینا چاہیے تھا تاکہ لوگ اس سے مستفید ہو سکتے۔

یہ تو آپ دیکھ چکے کہ نیازی صاحب کا سارا پلان لفظ "جمیعا" کے گرد گھومتا ہے جس کے معنی آپ نے "سب کے سب" کئی بار دہرائے ہیں، اب مشکل یہ ہے کہ "جمیعا" کے معنی وہ ہیں ہی نہیں جو نیازی صاحب سمجھے بیٹھے ہیں بلکہ اس کے معنی ہیں "ایک ساتھ یا "اکٹھے مل کر" یا جمع ہو کر"۔

"قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا" (البقرۃ ۳۸)

"ہم نے کہا تم سب جنت سے ایک ساتھ اترو"

جیسے کہ دوسرے مقام پر فرمایا:

"لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاءِ جُدُرٍ" (الحشر: ۱۴)

"یہ اکٹھے مل کر تم سے کبھی لڑ نہ سکیں گے (یعنی میدانِ مقابلہ میں آمنے سامنے) مگر بستیوں کے قلعوں میں یا دیواروں کی اوٹ میں"

اور جہاں "سب کے سب" کا مفہوم ادا کرنا ہو تو وہاں "جمیعا" کا لفظ نہیں آتا بلکہ اجمعون یا اجمعین آتا ہے، جیسے فرمایا:

"فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ" (الحجر: ۳۰)

"تو سب کے سب فرشتوں نے (آدمؑ کو) سجدہ کیا"

اس آیت میں "کلھم" تاکید مزید کے لیے ہے، ورنہ اجمعین اور اجمعون "سب کے سب" کے معنوں میں ہی استعمال ہوتے ہیں۔

گویا "اھبطوا" میں تین افراد (آدم، حوا اور ابلیس) کو صرف اترنے کا حکم ہے اور "اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا" میں یہ وضاحت ہے کہ تمہیں سب کو اکٹھا مل کر ایک ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی اترنا ہو گا۔ یہ نہیں کہ باری باری اترتے رہو۔"

قرآن میں تکرار کی وجہ:

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ قرآن میں "اھبطوا" کا استعمال دو بار کیوں ہوا؟ تو اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ پہلی بار "اھبطوا" کے مابعد کی زندگی کے ایک پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے اور دوسری بار دوسرے پہلو کو۔ پہلی بار اس ہبوط کی وجہ بتلائی کہ چونکہ تم ایک دوسرے کے دشمن بن چکے ہو لہٰذا یہاں سے نکل جاؤ یا اتر جاؤ۔ جنت میں ایسی مخاصمت کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہٰذا اب تمہارا مستقر زمین کو بنایا جاتا ہے اور دوسری بار ہبوط کے حکم کے بعد آئندہ کے لیے رشد و ہدایت کا لائحہ عمل بیان فرمایا۔ کہ اس زمین میں تمہارے پاس میری طرف سے رسول آتے رہیں گے ..... الآیۃ (البقرۃ: ۳۹)

ہبوط ایک ہی بار ہوا اور جنت بھی ایک ہی تھی۔ اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے، کہ سورۃ اعراف میں بھی یہی ہبوطِ آدم کا قصہ سورۃ بقرہ میں بیان شدہ قصہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے لیکن وہاں ایک دفعہ ہی ہبوط کا ذکر آیا ہے۔ اس مقام پر درج ذیل آیت میں:

"قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ" (الاعراف: ۲۴)

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اتر جاؤ، تم سب ایک دوسرے کے دشمن ہو، اب تمہارے لیے اس میں ٹھکانا اور ایک وقت تک زندگی کا سامان ہے"

تو موجود ہے لیکن "اِهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا"، یعنی نہ دوسری بار کے ہبوط کا ذکر ہے اور نہ جمیعا کا۔ لہٰذا جمیعًا سے متعلق نیازی صاحب کی بیان کردہ مدت اور وقفہ کا مسئلہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

شجرِ ممنوعہ:

شجرِ ممنوعہ کا نام نہ قرآن میں مذکور ہے نہ احادیث میں۔ تفاسیر میں مفسرین نے اپنے اپنے خیال کے مطابق اس درخت کا نام تجویز کیا ہے۔

نیازی صاحب ان سب کا رد کرنے کے بعد اپنی تحقیق ان الفاظ میں پیش فرماتے ہیں کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"قرآنِ کریم اپنی تفسیر خود اپنے آپ فرماتا ہے۔ مندرجہ بالا آیات سے شجرِ ممنوعہ کے پھل کی تاثیر سامنے آگئی اور وہ یہ کہ حضرت آدم و حوا پھل کھانے سے پہلے مرد و عورت کے فرق اور ضرورت سے ناواقف تھے جب انہوں نے پھل کھایا تو ان کے ستر ایک دوسرے پر کھل گئے اور انہوں نے ایک دوسرے کو جنسِ مخالف کی حیثیت سے پہچان لیا اور وہ برائے نام نہیں، بلکہ سچ مچ کے میاں بیوی بن گئے۔ اس لیے اس شجر کو سوائے شجرِ تشخیصِ جنس (SEX TREE) کے کچھ بھی قرار نہیں دے سکتے۔"

(ص ۵، ۶)

شجرِ ممنوعہ کی یہ تعبیر نیازی صاحب سے پیشتر بھی کئی حضرات پیش فرما چکے ہیں۔ لیکن اس تعبیر پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس درخت کا پھل کھانا جرم تھا اور یہ پھل جنسی شہوت (SEX) تھی۔ آدمؑ نے اس پھل کھانے کے جرم سے توبہ استغفار کی جو قبول بھی ہو گئی۔ لیکن یہ پھل آپ بعد میں بھی کھاتے رہے اور آپ کی ساری اولاد آج تک یہ پھل کھا رہی ہے، تو پھر یہ جرم کیسا تھا اور معافی کیسی ہوئی تھی؟

اگرچہ نیازی صاحب نے اس شجر کو جنت کے ساتھ ہی جزیرہ میں ڈبو کر ختم کر دیا ہے مگر جرم اس درخت کا وجود تو نہ تھا بلکہ اس کا پھل کھانا تھا۔ اور وہ پھل آج تک کھایا جا رہا ہے۔ پھر اس درخت کو ڈبونے کا فائدہ بھی کیا تھا؟

ارضی جنت کیوں؟

گو نیازی صاحب کے دو عدد جلوتوں اور دو بار خروج کا فلسفہ شجرِ ممنوعہ کا ذکر چھیڑے بغیر بھی حل ہو جاتا ہے۔ تاہم آپ نے یہ ذکر اس طرح چھیڑا کہ اس شجرِ ممنوعہ کا وجود صرف جنتِ ارضی میں ہی ہو سکتا ہے اور اگر ہم جنتِ ارضی کے بجائے جنتِ آسمانی فرض کر لیں تو اس پر بہت سے اعتراض وارد ہوتے ہیں، مثلاً "کیا یہ درخت حضرت آدمؑ سے پہلے بھی موجود تھا؟ اگر تھا تو فرشتوں کو بھی اس کی ممانعت تھی یا نہیں؟ جنت میں تو سوائے خیر کے کچھ نہیں یہ درخت کیوں پیدا کیا گیا؟ کیا یہ درخت آج بھی موجود ہے؟ اور اگر موجود ہے تو جنتیوں کی پریشانی کا باعث تو نہ ہو گا؟ آسمانی جنت تو ایک دائمی نعمت ہے۔ اس میں شجرِ ممنوعہ کا کیا کام ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح یہ کچھ مزید سوالات ——— جنھیں آپؒ "بنیادی سوالات" کا نام دیتے ہیں —
نیازی صاحب یہ تخلیقِ آدم کے سلسلہ میں بھی اٹھاتے ہیں، مثلاً آدمؑ کو کہاں پیدا کیا گیا؟ جنت کا کیا مفہوم ہے؟ یہ جنت زمین پر تھی یا آسمان پر؟ اگر یہ آسمان پر تھی تو آدمؑ کے لیے زمین سے مٹی منگوانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا اللہ تعالیٰ اس مٹی کو منگائے بغیر تخلیقِ آدم پر قادر نہ تھا؟ آدمؑ سے پہلے کرۂ ارض وجود میں نہ تھا، چرند پرند موجود نہیں تھے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی بے کار اور لایعنی سوالات کا انبار لگا دیا ہے جن سے کسی کو ذہنی انتشار میں تو مبتلا کیا جاسکتا ہے مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔

پھر جس طرح کے یہ عقلی قسم کے سوال ہوتے ہیں اسی طرح کے ان کے عقلی جوابات ہوتے ہیں۔ عقلی قسم کے سوال و جواب میں دراصل مقابلہ تو فریقین کی عقلوں کا ہوتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کون صاحب عقلی جوہر دکھانے میں کامیاب رہے ہیں۔ اس سے مسئلہ زیرِ بحث کے درست یا غلط ہونے پر کم ہی استشہاد کیا جاسکتا ہے۔

بالکل اسی قسم کے سوالات اور اعتراضات ان لوگوں کی طرف سے بھی پیش کیے جاتے ہیں جو جنتِ سماوی کے قائل ہیں، مثلاً وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ اس باغ کو کس نے بویا اور کس نے لگایا؟ جنّ و ملائکہ تو دنیاوی باغ لگایا نہیں کرتے اور نہ ان کا لگایا ہوا باغ آج تک کسی انسان نے دیکھا ہے اور آدم سے پیشتر انسانی آبادی نہیں جس کے متعلق کہا جاسکے کہ شاید اس نے لگایا ہو۔ اور اگر آدمؑ نے اس باغ کو خود بویا اور لگایا تھا، تو پھر اس میں آباد ہونے کی اجازت اور اخراج ہونے کا کیا مطلب؟ نیز اگر یہ باغ آدمؑ کا خود کاشتہ تھا تو آپ نے شجرِ ممنوعہ کیوں لگایا؟ پھر آپ اس کی تاثیر سے کیوں ناواقف رہے؟ جس کے کھانے پر اللہ کی طرف سے عتاب نازل ہوا؟ اسی شجرِ ممنوعہ کو ابلیس نے "شجرۃ الخلد" بتلایا۔ تو اس فانی باغ میں "شجرۃ الخلد" کا کیا کام؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالات سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جس طرح کے سوالات نیازی صاحب نے اٹھائے ہیں، دوسرا فریق بھی ایسے بے شمار سوالات اٹھا سکتا ہے، لہٰذا ایسے سوالات کا جواب دینا جن کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی وضاحت نہ ہو اور ان کا جواب انسانی علم کی دسترس سے بھی باہر ہو ——— ایک عبث فعل ہے۔

آدم جنتِ سماوی میں: یہ تو آپ دیکھ چکے کہ جنتِ ارضی کے قائلین کے پاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے سوائے چند عقلی دلائل یا اعتراضات کے کوئی ٹھوس بنیاد نہیں ہے۔ انہیں نقلی بنیاد اگر ملتی ہے تو تورات سے، جس میں یہ مذکور ہے کہ یہ جنت عدن میں تھی، لیکن تورات ساتھ یہ بھی بتلاتی ہے کہ اس جنت میں آدم و حوّا اور ابلیس کے علاوہ سانپ اور مور بھی تھے اور ابلیس انھیں کی معرفت آدم و حوا کو بہکاتا پھسلاتا رہا، لہٰذا تورات کی یہ حکایت کسی فریق کے لیے بھی قابلِ تسلیم نہیں۔

ہم یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ قرآن و حدیث میں ایسے صریح الفاظ کہیں نہیں ملتے جو اس نزاع کے لیے فیصلہ کن ثابت ہوں تاہم بعض ایسے اشارات اور دلائل ضرور مل جاتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جنت ارضی نہیں بلکہ جنت الماوٰی ہی تھی جس میں آدم و حوا کو رہائش اختیار کرنے کو کہا گیا لہٰذا جمہور علمائے اسلام کا یہی مسلک ہے کہ یہ جنت وُہی جنت الماوٰی ہے جس کا وعدہ آخرت میں مسلمانوں کے لیے کیا گیا ہے کیونکہ آیات و احادیث کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً:

دلیل اوّل:

ارشادِ باری ہے:

"وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ" (البقرۃ ۳۵)

"ہم نے کہا اے آدمؑ! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو"

اس جگہ جنت کو عربی قاعدہ سے "الجنۃ" الف لام کے ساتھ ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اسی مشہور جنت کا ذکر ہے جس کو جگہ جگہ قرآنِ عزیز میں قیامِ قیامت کے بعد مومنوں کا مستقر بتلایا گیا ہے ورنہ اگر نئے مقام کا تذکرہ ہوتا یعنی یہ ارضی باغ ہوتا تو پہلے اس کی حقیقت کا اظہار ہوتا۔ پھر اس کو جانی پہچانی چیز کی طرح ال کے ساتھ ذکر کیا جا سکتا تھا۔

دلیل دوم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ" (البقرۃ: ۳۶)

"ہم نے کہا نیچے اترو کیونکہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اب تمہارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے زمین میں مستقر اور ایک وقت تک فائدہ اٹھانا ہے۔"

اب دیکھیے "حبط بالبلد" یعنی "شہر میں اترنا" اور "حبط بالواد" - وادی میں اترنا - یہ بلندی سے پستی کی طرف آنے کے بغیر بھی ممکن ہے، لیکن زمین میں اترنا اس بات کا متقاضی ہے کہ یہ اترنا کسی بلندی یا آسمان سے ہو - ارض کی ضد سماء ہے جس کے معنی آسمان بھی ہے اور بلندی بھی - اسی طرح ارض کا معنی زمین بھی ہے اور پستی بھی - گویا ہبوط اور ارض دونوں لفظ مل کر اس جنت کو سماوی قرار دیتے ہیں -

دلیل سوم :

صحیح مسلم، کتاب الایمان باب الشفاعۃ میں ایک طویل حدیث کا درج ذیل حصہ ملاحظہ فرمائیے :

" يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ فَيَقُومُ الْمُؤْمِنُونَ حَتّٰى تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ يَا أَبَانَا اسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَيَقُولُ: وَهَلْ أَخْرَجَكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ إِلَّا خَطِيْئَةُ أَبِيْكُمْ "

" اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) لوگوں کو جمع کرے گا، پس اہلِ ایمان کھڑے ہوں گے، جب جنت ان کے قریب ہو گی، پھر وہ آدمؑ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے، "اے ہمارے باپ! ہمارے لیے اس جنت کو کھولیے" اس پر حضرت آدمؑ فرمائیں گے "کیا تم کو اس جنت سے تمہارے باپ کی خطا کاری نے ہی نہ نکالا تھا؟"

ان دلائل سے بخوبی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ واقعہ بلاشبہ جنت الماوی میں ہی پیش آیا تھا۔

اب ہم ایک ایسی دلیل پیش کرتے ہیں جس کی رُو سے نیازی صاحب نے خود بھی دبی زبان سے یہ حقیقت تسلیم کر لی ہے کہ یہ جنت ارضی نہ تھی -

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ " (۳۶ : البقرۃ)

ہم نے کہا، جنت سے اتر جاؤ کیونکہ تم سب ایک دوسرے کے دشمن ہو"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گویا اللہ تعالیٰ نے جنت سے نکالنے کا سبب یہ بتلایا کہ جنت لڑائی جھگڑا کرنے کی جگہ نہیں اور تم میں آپس میں دشمنی ہو چکی ہے، لہٰذا یہاں سے نکل جاؤ۔ لیکن نیازی صاحب فرماتے ہیں:

"ایک جگہ "اھبطوا" کے ساتھ ہی خداوندِ کریم نے فرمایا کہ نیچے جا کر کھیتی باڑی کرو، اب تم میں سے بعض بعض کے دشمن رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ جہاں زر، زن اور زمین موجود ہوں گے جھگڑے لازماً ہوں گے۔ ہابیل اور قابیل کا جھگڑا بھی زمین اور زن سے تعلق رکھتا تھا" (ص ۷)

اس اقتباس سے واضح ہے کہ دشمنی پیدا ہو جانے کے بعد تو زمین ہی مناسب مستقر ہے۔ لیکن جب تک دشمنی کی فضا پیدا نہ ہو اور لڑائی جھگڑے کا امکان ہی نہ تھا تو اس وقت الجنۃ ہی بہتر اور مناسب مستقر تھا۔

قارئین توجہ فرمائیں کہ

محکمہ ڈاک نے رجسٹری فیس میں تین ۳ روپے تک اضافہ کر دیا ہے۔ محدث کا سالانہ زرِ تعاون اب بھی بیس ۲۰ روپے ہے۔ لیکن بذریعہ وی پی اب آپ کو مبلغ تئیس ۲۳ روپے ادا کرنا پڑیں گے۔

اس زائد خرچہ سے بچنے کے لیے زرِ سالانہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں۔

تاہم سالانہ زرِ تعاون کے خاتمہ کی اطلاع کے بعد اگر آپ نے رقم منی آرڈر نہیں فرمائی تو آئندہ شمارہ بذریعہ وی پی وصول کرنے کے لیے تیار رہیں۔

وی پی واپس کرنا اخلاقی جرم ہے۔

خط و کتابت کے لیے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ ورنہ تعمیل ممکن نہیں ہو گی۔

والسلام

محمد انور بیگ مینجر محدث

© rasailojaraid.com